مرزا شفیق حسین

سانحۂ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء اور

مسلمانان جموں و کشمیر کی سیاسی جد و جہد

برصغیر کی تقسیم سے پہلے ہندوستان میں کم و بیش چھ سو چھوٹی بڑی ریاستیں موجود تھیں، جو مجموعی طور پر ہندوستان کے ایک چوتھائی حصہ پر پھیلی ہوئی تھیں اور اُن کی آبادی تقریباً دس کروڑ نفوس پر مشتمل تھی۔ ان ریاستوں کے حکمران مطلق العنان مہاراجے تھے، جن میں سے اکثر تعلیم یافتہ اور ذہین ہونے کے باوجود اعمال و افعال کے اعتبار سے بد ترین تھے۔ اُن کی انتظامیہ قابل نفرت حد تک نا اہلی، بد عملی اور رشوت خوری کا شکار تھی[1]۔ ان بد قسمت ریاستوں میں ریاست جموں و کشمیر بھی شامل تھی، جس کا درجہ ہندوستان کی سب سے زیادہ دولت مند ریاستوں میں تیسرا تھا، جس کی آبادی تقریباً چالیس لاکھ اور رقبہ تقریباً ساڑھے چوراسی ہزار مربع میل تھا۔ لیکن عوام کی غربت، بد حالی اور بے کسی کے اعتبار سے شاید یہ ریاست دوسری تمام ریاستوں میں سرِ فہرست تھی چنانچہ جب یہاں آزادی کی لہر اٹھی تو آناً فاناً تحریک حریت کا شہرہ ریاست کے گوشے گوشے میں پھیل گیا اور ریاستی عوام نے بڑی شدّ و مد سے اس میں حصہ لیا۔

سیاسی لحاظ سے کشمیر میں مہاراجہ ہری سنگھ کا دورِ حکومت (۱۹۲۵ء تا ۱۹۴۷ء) کئی لحاظ سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ زیادہ تر سیاسی سرگرمیوں کا آغاز اسی دور میں ہوا۔ بالخصوص مسلمانوں نے مختلف سماجی اور سیاسی تنظیمیں بنانے کی طرف توجہ اسی عہد میں دی تا کہ وہ مؤثر طریقے سے اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے جدوجہد کر سکیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ کا دور بھی کشمیر میں سکھا شاہی[2] کے سلسلے ہی کی ایک کڑی تھی۔ جس کا آغاز کشمیر میں افغانوں کے زوال (۱۸۱۹ء) کے بعد ہوا۔ ہری سنگھ ایک تعلیم یافتہ، روشن دماغ حکمران تھا، جو

عہد جوانی میں زیادہ تر یورپ میں قیام پذیر رہا تھا - اس لیے اس کے مخصوص تعلیمی پس منظر ، روشن ضمیری اور حریت پسندی کی وجہ سے ریاست کے لوگوں نے اُس سے کافی توقعات وابستہ کرلی تھیں - چنانچہ اپنے تایا پرتاب سنگھ[3] کی وفات کے بعد جب ۱۹۲۵ء میں وہ تخت نشین ہوا تو عوام نے بڑی مسرت کا اظہار کیا - اُس کے باپ امر سنگھ[4] کی وفات (۱۹۰۹ء) کے بعد ہندوستان کی برطانوی حکومت نے اُس کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی تھی ، کیونکہ امر سنگھ نے انگریزوں کے لیے قابل قدر خدمات انجام دی تھیں - چنانچہ انگریز اساتذہ کی زیر نگرانی میو کالج اجمیر سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہری سنگھ نے امپیریل کیڈٹ کور ڈیرہ دون میں فوجی تربیت حاصل کی - ۱۹۱۵ء میں اُسے ریاستی فوجوں کا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا - پہلی جنگ عظیم کے دوران اُسے سرکاری فوج کی ٹریننگ اور انھیں ہتھیار وغیرہ سپلائی کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ، جو فرانس ، فلسطین اور مشرقی افریقہ کے محاذوں پر لڑ رہی تھیں - ذاتی طور پر اُس نے دفاعی فنڈ میں ۳۴ لاکھ روپے کا عطیہ بھی دیا - ۱۹۲۲ء میں مہاراجہ کی سٹیٹ کونسل میں جب اُسے سینئر ممبر کا عہدہ ملا تو اپنی اس حیثیت میں اُسے لوگوں سے ملنے جلنے اور اُن کے مسائل کو سمجھنے کا موقعہ ملا - ہری سنگھ کی کوششوں ہی سے وادی میں قحط کے خطرہ پر قابو پا لیا گیا - بلا تفریق مذہب و نسل اُس نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں مقبولیت حاصل کرلی اور جب وہ تخت نشین ہوا تو اُس نے اعلان کیا کہ بحیثیت مہاراجہ اُس کا مذہب ''انصاف'' ہوگا - سری نگر میں اُس نے مسلمانوں کے ساتھ نمازِ عید ادا کی ، زرعی اصلاحات نافذ کیں اور پرائمری درجہ تک لازمی تعلیم اور عائلی قوانین کے بارے کے اصلاحات کا ایکٹ نافذ کیا[5] - لیکن مہاراجہ زیادہ عرصہ تک اپنی مقبولیت برقرار نہ رکھ سکا اور اُس کے ارد گرد خوشامدیوں کا ایک ایسا گروہ جمع ہوگیا، جس نے اُسے صدیوں سے بھوک ، افلاس اور ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے محروم اور مظلوم عوام سے دور کر دیا -

مہاراجہ ہری سنگھ کی تخت نشینی کے دنوں میں ریاست کشمیر کا حال یہ تھا کہ ملک کی تمام معیشت پر ڈوگرہ خاندان اور اُن کے نمک خوار جاگیرداروں کا قبضہ تھا - ملک کی تجارت بھی انھی لوگوں کے ہاتھ میں تھی اور اہل کشمیر اپنا پیٹ پالنے کے لیے پنجاب کے مختلف شہروں میں جا کر محنت مزدوری کرتے تھے - اندرونِ ملک بیگار[6] اس حد تک تھی کہ تمام سرکاری کام بیگار پر ہی کرائے جاتے تھے - مہاراجہ ہری سنگھ کے

برسر اقتدار آنے سے قبل پریس پر مکمل پابندی عائد تھی اور ریاست کے حالات اور اُس کے عوام کی پس ماندگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے برطانوی حکومت نے ریاست کے اندر ہر قسم کی سیاسی، سماجی اور مذہبی تنظیموں پر پابندی عائد کر رکھی تھی۔ ۱۹۲۱ء میں بڑی مشکل سے مسلمانوں کو ایک مذہبی تنظیم بنانے کی اجازت دی گئی، جس کا مقصد مسلمانوں کو قرآنِ حکیم کی تعلیمات سے آگاہ کرنا تھا، مگر ساتھ ہی پولیس کو بھی ہدایت تھی کہ وہ انجمن کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھے۔

یہ وہ دور ہے جب کہ ہندوستان میں مختلف تحریکیں جنم لے رہی تھیں۔ تحریک عدم تعاون، ستیہ گرہ، تحریک خلافت[۸] اور مختلف اصلاحات کے اثرات کسی نہ کسی طور ریاست کے حالات پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ مسلمانانِ ہند کے سیاسی حقوق کی حفاظت کے لیے ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ ریاست کا علاقہ جموں چونکہ پنجاب سے زیادہ نزدیک تھا، اس لیے یہاں ان تحریکوں کا اثر زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔ چنانچہ ۱۹۰۷ء میں پہلی مرتبہ جموں کے گورنمنٹ سکول کے طلباء نے لاہور کے ایک اخبار ''پنجابی'' کے لیے چندہ اکٹھا کرنے کی مہم کا آغاز کیا۔ یہ اخبار طلباء کی سرگرمیوں پر مضامین وغیرہ چھاپتا تھا۔ اسی دوران جموں میں مظاہرے بھی ہوئے اور کچھ اساتذہ اور طلباء کے خلاف کارروائی بھی کی گئی۔ جنگ عظیم اول کے دوران کشمیر کے فوجیوں کو ہندوستان سے باہر یورپ کے آزاد اور ترقی یافتہ ممالک کو دیکھنے کا موقعہ ملا اور اُن کے دلوں میں اپنے وطن کو آزاد اور ترقی یافتہ دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ بلقان اور طرابلس کی جنگوں نے ہندوستان کی طرح کشمیر کے مسلمانوں میں بھی جوش و ولولہ پیدا کیا اور ۲۳-۱۹۲۲ء میں قحط کے مسئلہ پر منظم طور پر حکومت کے خلاف مظاہرے ہوئے۔

ریاست سے باہر تعلیم یافتہ طبقہ اخبارات وغیرہ کے ذریعہ حکومت کے خلاف محاذ آرا تھا۔ کئی بااثر کشمیری جن کے آباء و اجداد ریاست سے ہجرت کر کے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے، اُنہوں نے باقاعدہ تنظیمیں قائم کر لی تھیں، جو مختلف ذرائع سے ریاستی مسلمانوں کی حالت زار کو سدھارنے کا مطالبہ کر رہی تھی۔ ''آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس'' کے نام سے ایک تنظیم لاہور میں اسی نوعیت کا کام سر انجام دے رہی تھی۔ اسی تنظیم کی کوششوں سے مسٹر شارپ کو ۱۹۱۶ء میں کشمیر بھیجا گیا تا کہ وہ مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات کا جائزہ لیں اور اصلاح احوال کے تجاویز مرتب کریں۔ اسی طرح اکتوبر ۱۹۲۴ء میں اس کانفرنس

کے زیر اہتمام وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ[۹] کو ریاستی مسلمانوں کی طرف سے ایک یادداشت پیش کی گئی، جس میں مسلمانوں کی مذہبی، سماجی اور تعلیمی اصلاحات سے متعلق مطالبات پیش کیے گئے۔ لیکن ریاستی حکومت نے مسلمانوں کے ان مطالبات پر مثبت اقدام کرنے کی بجائے یادداشت پر دستخط کرنے والے مسلمانوں کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے۔ اس سخت اقدام سے پوری ریاست میں زبردست ہیجان پیدا ہو گیا۔ پہلے ہی صنعتی مزدور، گھریلو صنعتکار اور چھوٹے کار خانہ دار گوناگوں مشکلات سے دو چار تھے۔ ان سے مختلف ناموں سے محصول اور ٹیکس، خاص طور سے داغ شال[۱۰] وصول کیے جاتے تھے۔ اس نئے ظالمانہ اقدام نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور انہوں نے زیادتیوں کے خلاف احتجاجی جلوس نکالنے شروع کیے۔ ۲۹ اپریل ۱۸۶۵ء کو سری نگر میں نہتے مزدوروں پر گولیاں برسائی گیئں، جن کے نیتجہ میں سینکڑوں مزدور زخمی ہوئے اور ۲۸ افراد کو دریا برد کر دیا گیا۔ رشید تاثیر کے الفاظ میں ''یہ واقعہ جہاں ہندوستان کے صنعتی مزدوروں کی بیداری کا پہلا باب کھولتا ہے، وہاں تحریک حریت کشمیر کے یہ پہلے گم نام شہید ہیں'' ۱۹۲۴ء میں سرینگر کے ریشم کے کارخانے کے مزدروں کے ساتھ بھی ایسا سلوک کیا گیا، جن کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ شرح مزدوری میں کچھ اضافہ اور اپنے بے رحم افسروں کی زیادتیوں کا ازالہ چاہتے تھے۔ 'اگرچہ یہ بغاوت کچل دی گئی لیکن کشمیری مسلمانوں کو اس بات کا شعور ہو گیا کہ اپنے حقوق منوانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہڑتال کی جائے اور ڈوگرہ راج کی کرم خوردہ بندوقوں کے سامنے بلا خوف و خطر اپنے حقوق کا مطالبہ پیش کیا جائے'[۱۲]۔ تحریک خلافت کے زمانے میں پونچھ کی جیل میں توہین قرآن کا ایک واقعہ پیش آیا۔ مسلمانوں نے اس کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔ بالآخر 'پونچھ کے راجہ کو رعایا کے سامنے جھکنا پڑا۔ جس شخص نے قرآن کی توہین کی تھی اسے ریاست سے نکال دیا گیا اور لوگوں نے پہلی مرتبہ محسوس کیا کہ وہ حکومت کو اپنے حقوق منوانے پر مجبور کرسکتے ہیں'[۱۳]۔ جوزف کورمل ریاست کشمیر میں عوامی بیداری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: '۱۹۲۷ء میں پہلی مرتبہ مہاراجہ ہری سنگھ کے دور اقتدار میں استحصال زدہ عوام کے اندر سیاسی بیداری کے آثار نمودار ہونے شروع ہوئے۔ اس کا پہلا ثبوت ۱۹۲۷ء کا وہ اعلان ہے جو کہ متوسط درجے کے ملازمین کے چھوٹے سے گروہ کے احتجاج کے جواب میں کیا گیا اور کم از کم کاغذی سطح تک اس سے حکومت اور فوج کی ملازمتوں میں مسلمانوں کے لیے راستہ کھل گیا'[۱۴]۔

ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن

جیسا کہ اس سے قبل ذکر ہوا، صوبہ جموں میں سیاسی تحریک صوبہ کشمیر کی نسبت بہت پہلے شروع ہو چکی تھی، کیونکہ اول الذکر صوبہ کے لوگ اکثر پنجاب آتے جاتے رہتے تھے اور ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جنھوں نے 'خلافت اور عدم تعاون کے ہنگامے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے، جلسوں میں شریک ہو کے لیڈروں کی تقریریں سنی تھیں، جلوس نکلتے دیکھے تھے۔ ان میں سے بعض نوجوانوں نے ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن کے نام سے ایک انجمن بھی قائم کر رکھی تھی۔ ''انقلاب'' میں جو مراسلے چھپتے تھے وہ انھیں لوگوں کے لکھے اور لکھوائے تھے'۔[۱۵]

جموں میں ''ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن'' کا باقاعدہ قیام ایک غیر سیاسی جماعت کی حیثیت سے ۱۹۰۸ء کے وسط میں عمل میں آیا[۱۶] لیکن چند سال بعد ہی اس کا زور ٹوٹ گیا۔ ۱۹۲۳ء میں اس انجمن کو چند درد مند نوجوانوں نے از سر نو زندہ کیا۔ ان نوجوانوں میں چوھدری غلام عباس کا نام بھی شامل تھا۔ ۱۹۲۴ء میں اس انجمن نے اپنا سالانہ جلسہ کر کے اپنی اہمیت اور موجودگی کا ثبوت دیا۔ جلد ہی چوھدری غلام عباس کو اس انجمن کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ ینگ مینز ایسوسی ایشن نے آریہ سماج کی شدھی کی مہم کا مقابلہ کرنے کے لیے اس علاقے میں خاطر خواہ کام کیا۔[۱۷] ابتداء میں اس تنظیم کا مقصد کار صرف علمی و ادبی سرگرمیوں پر مشتمل تھا لیکن بعد میں تحریک حریت کشمیر اسی کی آغوش میں پروان چڑھی، کیونکہ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے آئین کی دفعہ ۱۴ کے تحت یہ ایسوسی ایشن، مسلم کانفرنس کے ساتھ منسلک ہو گئی۔[۱۸] اور اس کے ارکان ریاست کی ہر تحریک کے روح رواں رہے۔ خاص طور پر جن دنوں جموں اور اس کے ملحقہ علاقوں میں توہین قرآن اور مسلمانوں کی مذہبی دل آزاری کے واقعات پیش آئے، اس ایسوسی ایشن کی سرگرمیاں عروج پر پہنچ گئیں۔ اس تنظیم نے مداخلت فی الدین کے خلاف جس احتجاجی تحریک کا آغاز جموں سے کیا تھا وہ بالآخر تحریک آزادی کشمیر کا عنوان بن گیا۔ بعد میں ایسوسی ایشن کی شاخیں سرینگر، میرپور اور پونچھ میں بھی قائم گی گئیں[۱۹] تا ہم اس کی مرکزی تنظیم جموں میں ہی رہی، جس کے سرکردہ رہنماؤں میں چوھدری غلام عباس، سردار گوہر رحمان، اے آر ساغر، غلام حیدر غوری، مستری یعقوب علی، شیخ غلام قادر اور شیخ عبدالحمید شامل تھے۔

ریڈنگ روم کا قیام

اسی دوران بہت سے مسلمان نوجوانوں نے جو کہ ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں ، خصوصاً علی گڑھ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل تھے ، اپنے آپ کو منظم کرنا شروع کیا - ۱۹۳۰ء میں سری نگر کے وسطی محلہ میں سید علی اکبر کے ایک نیم پختہ حجرے[20] میں ایک خفیہ ریڈنگ روم قائم کیا گیا - بعد میں عام لوگوں سے چندہ کر کے بیاسی روپے[21] کی رقم اکٹھی کی گئی اور سری نگر میں ہی زینہ کدل کے قریب ایک چھوٹا سا کمرہ کرایہ پر لے کر ایک ریڈنگ روم بنایا گیا - جہاں بہت سے غیر ریاستی اخبارات منگوا کر عام پڑھے لکھے لوگوں تک پہنچائے جاتے تھے - ان اخبارات میں سب سے زیادہ مقبولیت ''انقلاب'' کو حاصل تھی - اس طریقہ سے عوام کا سیاسی شعور بیدار ہونا شروع ہوا - اُس زمانے میں چونکہ بہت سے اخبارات کی ریاست کے اندر داخلے پر پابندی تھی ، اس لیے شروع شروع میں ریڈنگ روم کی سرگرمیاں خفیہ رکھی گئیں - بعد میں ریڈنگ روم کے ممبران آپس میں باقاعدہ اجلاس منعقد کرنے لگے جہاں ریاست کے سماجی ، معاشرتی اور سیاسی مسائل پر بحث مباحثہ ہوتا تھا - یہ ریڈنگ روم آہستہ آہستہ ''ریڈنگ روم پارٹی'' کی شکل اختیار کرتا گیا - جن لوگوں نے ریڈنگ روم کی ابتداء کی اُن میں محمد رجب بٹ اور مولوی بشیر احمد کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں - کچھ عرصہ بعد ریڈنگ روم کے ساتھ ساتھ ایک نیم سیاسی تنظیم کی ضرورت بھی محسوس کی جانے لگی ، جس کا مقصد خفیہ طور پر ڈوگرہ حکومت کے خلاف ایک انقلابی تحریک کی داغ بیل ڈالنا تھا - چنانچہ ریڈنگ روم کا مرکز سری نگر سے فتح کدل میں مفتی جلال الدین کے ہاں منتقل کر دیا گیا - اُس وقت تک بے شمار لوگ ''ریڈنگ روم پارٹی'' کے رکن بن چکے تھے - لہٰذا جماعت کی باقاعدہ شیرازہ بندی کی گئی اور ایک باضابطہ انتخاب میں محمد رجب بٹ کو صدر اور شیخ محمد عبداللہ کو جماعت کا سیکرٹری منتخب کیا گیا[22] - شیخ عبداللہ اُنہی دنوں علی گڑھ سے ایم ایس سی (کیمسٹری) کی ڈگری لے کر آئے تھے اور جلد ہی ریڈنگ روم پارٹی کے سرگرم رکن بن گئے تھے - نوجوانوں کا یہ گروہ بتدریج قوت پکڑتا گیا اور اُس نے ڈوگرہ حکومت کے خلاف باقاعدہ مہم کی شکل اختیار کر لی -

تحریک کشمیر میں انگریزوں کا ہاتھ

ریاستی نوجوانوں کو بدنام کرنے اور اُن کی بے مثال قربانیوں کی اہمیت کو کم کرنے کی غرض سے بعض ہندو مصنفین نے استدلال پیش

کیا ہے کہ اس تحریک کو ہندوستان کی برطانوی حکومت خاص طور سے ریاست کے انگریز وزیر کی اشیر باد حاصل تھی۔[۲۳] اس کے ثبوت کے طور پر وہ انگریزوں اور مہاراجہ ہری سنگھ کے درمیان سرحدی پالیسی کے بارے میں اختلافات کا ذکر کرتے ہیں۔ بمزئی کے خیال میں ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کا خونیں واقعہ، جو کشمیر کی تاریخ آزادی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، انگریزوں کی سازش کا ہی نتیجہ تھا۔ کیونکہ بعد میں اس واقعہ کےمرکزی کردار عبدالقدیر[۲۴] کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلائی گئیں کہ اس نے سب کچھ انگریزوں کے اشارے پر کیا تھا۔ بعض لوگوں کے مطابق اسے انگریزوں کی سی آئی ڈی نے کشمیر بھیجا تھا اور اسے ایبٹ آباد میں تقریر کرنے کی باقاعدہ تربیت دی گئی تھی تاکہ وہ ریاست میں جا کر لوگوں کے جذبات کو مشتعل کرے۔ لیکن اس قسم کی روائتیں تاریخ کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتیں اور نہ ہی ان سے اب تک کامل اتفاق کیا گیا ہے۔[۲۵] مشہور کشمیری صحافی رشید تاثیر لکھتے ہیں کہ خواجہ غلام محی الدین قرہ[۲۶] نے ہفت روزہ ''محافظ'' کے لیے ایک خصوصی انٹرویو دیتے ہوئے ان سے کہا کہ 'عبدالقدیر نام کا ایک پٹھان نوجوان، جو کسی انگریز کے ساتھ یہاں آیا تھا، ۱۳ جولائی کے واقعہ سے قبل اکثر ہمارے پاس پیر عبدالاحد شاہ کی دکان پر ملنے آیا کرتا تھا۔ عبدالقدیر سے میری ملاقات اسی دکان پر ہوئی۔ ان دنوں میرے علاوہ غلام محمد صادق، حسین خان، سلطان ڈوپٹہ، ناصر خان اور مظفر خان(جو ۱۹۴۷ء میں جموں میں جج تھے اور فرقہ وارانہ فسادات میں شہید کردیئے گئے) اس دکان پر بیٹھ کر باہمی تبادلۂ خیالات کرتے تھے۔ ہندوستان میں جنگ آزادی لڑنے والوں سے ہم بے حد متاثر تھے۔ عبدالقدیر خان ہماری گفتگو سے اثر لیتے گئے اور اسی اثر کا یہ رد عمل تھا جو خانقاہ معلیٰ میں انہوں نے شخصی نظام پر نکتہ چینی کی[۲۷]۔ عبدالقدیر ایک جذباتی مسلمان تھا اور سیاسی شعور بھی رکھتا تھا۔ سری نگر میں اب تک جتنے جلسے جلوس منعقد ہوئے تھے ان سب میں وہ شریک تھا بلکہ ایک آدھ جلسے میں تقریر بھی کر چکا تھا'۔[۲۸]

سانحۂ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء

۱۳ جولائی کے سانحہ کی ایک فوری وجہ یہ تھی کہ ۱۹۳۱ء میں ڈوگرہ خاندان کے ایک سب انسپکٹر پولیس نے قرآن پاک کی بے حرمتی کی۔ اس واقعہ سے کچھ عرصہ پہلے مسلمانانِ جموں کو ۲۹ اپریل کو[۲۹] نماز عید ادا کرنے کے دوران پریشان کیا گیا اور امام کو خطبۂ عید پڑھنے سے روک دیا

گیا ، کیونکہ پولیس کے بقول خطبہ میں ، جوعربی زبان میں ہوتا تھا ، ڈوگرہ حکومت پر نکتہ چینی کی جاتی تھی - انہیں دنوں جموں ہی کے ایک قصبہ ڈگوری میں مسلمانوں کو نماز جمعہ ادا کرنے سے روکا گیا - گویا مذہبی دل آزاری کے واقعات کا ایک سلسلہ چل نکلا ، جس سے مسلمان بہت مشتعل ہوئے اور جموں ، کشمیر ، پونچھ اور میرپور وغیرہ میں ڈوگرہ حکومت کے خلاف تحریک اٹھ کھڑی ہوئی - جموں کی ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن اور سرینگر کی ریڈنگ روم پارٹی کے درمیان رابطہ قائم ہوا اور فیصلہ ہوا کہ ایک گیارہ رکنی نمائندہ وفد (جس میں جموں کے چار نمائندے ، چودھری غلام عباس خان ، سردارگوہر رحمان ، مستری یعقوب علی اور شیخ عبدالحمید اور کشمیر (سرینگر) سے سات نمائندے شیخ محمد عبداللہ ، میر واعظ احمد اللہ ہمدانی ، آغا سید حسین شاہ جلالی ، سعیدالدین شال ، خواجہ غلام احمد عشائی ، مولانا یوسف شاہ اور منشی شہاب الدین شامل تھے) مہاراجہ سے مل کر مسلمانوں کے مطالبات پیش کریں تاکہ اُن کی شکایات کا ازالہ ہو سکے - مہاراجہ سے ملاقات کرنے سے پیشتر کشمیری رہنماؤں نے خانقاہ معلی (سرینگر) میں ۲۵ جون ۳۰ کو ایک جلسہ منعقد کیا ، تاکہ عوام کو اعتماد میں لیا جائے اور باہمی گفت و شنید کے ذریعے مطالبات کو حتمی شکل دی جائے - اس جلسہ سے فارغ ہو کر جب تمام نمائندے قہوہ پینے لگے تو اچانک عبدالقدیر نامی ایک نوجوان نے کشمیری مسلمانوں کی مظلومیت پر تقریر شروع کر دی -پولیس اُس کو پکڑ کر لے گئی اور اُس کے خلاف زیر دفعہ ۱۲۴ - رنبیر پینل کوڈ ، اے ڈی ایم پنڈت کرشن لال کچلو کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا گیا - ۱۳ جولائی کو اس مقدمہ کی سماعت تھی - ریاست میں چونکہ اپنی نوعیت کا پہلا سیاسی مقدمہ تھا اور ملزم کو کشمیریوں کی حمایت کی پاداش میں گرفتار کیا گیا تھا ، اس لیے عام لوگوں کو اس مقدمہ سے دلچسپی اور ملزم سے ہمدردی پیدا ہوگئی - وہ چاہتے تھے کہ اُن کو عدالت کے اندر جاکر مقدمہ کی کارروائی سننے کی اجازت دی جائے - ہجوم پر امن تھا اور ملزم کو رہا کرنے کا مطالبہ کر رہا تھا - اس پر مجسٹریٹ نے مجمع کو منتشر کرنے کا حکم دیا اور جب گڑ بڑ زیادہ ہوگئی تو گولی چلانے کا حکم جاری کر دیا گیا - اس طرح نہتے عوام پر گولی چلنے سے ۲۱ بے گناہ مسلمان شہید ہو گئے ، لیکن گولی چلنے کا سلسلہ ختم نہ ہوا حتیٰ کہ شہداء کی نماز جنازہ پڑھنے والوں پر بھی گولیاں برسائی گئیں ، جس سے مزید کئی جانیں ضائع ہوئیں -

گرفتاریاں اور عارضی صلح نامہ

۱۳ جولائی کے واقعہ کے بعد شام کو چودھری غلام عباس ، قاضی گوھر رحمان اور مستری یعقوب علی کو گرفتار کر لیا گیا اور دوسرے روز شیخ محمد عبداللہ سمیت کئی اور رہنماؤں کی گرفتاریاں بھی عمل میں آئیں۔ ان گرفتاریوں کے بعد عوام نے ہڑتال شروع کر دی اور سرینگر میں تمام کاروبار معطل ہوگئے۔ امن و امان بحال کرنے کے بہانے شہر کو فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ بیس دن کی ہڑتال کے بعد ہری سنگھ کے حکم سے تمام نظر بند رہا کر دئیے گئے لیکن عبدالقدیر خان کو پانچ سال قید سخت کی سزا دی گئی۔ ڈیڑھ سال کی قید کاٹنے کے بعد اُسے ریاست کی حدود سے باہر نکال کر رہا کر دیا گیا[۳۱]۔ نظر بندوں کی رہائی کے بعد حکومت اور مسلمان نمائندوں کے درمیان صرف دو ماہ کے لیے ایک عارضی صلح نامہ[۳۲] طے پایا۔ اور مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ وہ اپنے مطالبات مہاراجہ کے سامنے پیش کریں۔ ۱۵ اگست ۱۹۳۱ء کو مذکورہ بالا گیارہ رکنی وفد نے مہاراجہ کے سامنے اپنے مطالبات پیش کئے۔ مسلمان نمائندوں کا خیال تھا کہ اُن کی عرضداشت کو ھمدردی سے سنا جائے گا اور اُن کی جائز شکایات کا مداوا ہوگا، لیکن مہاراجہ نے وفد کے ارکان سے بڑا توہین آمیز سلوک کیا۔ اس سلوک سے یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ منت سماجت سے قوم کو آزادی جیسی بیش قیمت نعمت سے ہم کنار نہیں کیا جا سکتا[۳۳]۔

سانحہ ۱۳ جولائی کی اہمیت

مندرجہ بالا واقعات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سانحۂ ۱۳ جولائی وقوع پذیر ہونے کی واحد وجہ مہاراجہ کے خلاف انگریزوں کی سازش ہی نہیں تھی بلکہ اس سانحۂ کے کچھ اور محرکات بھی تھے۔ علاوہ ازیں انگریزوں کا مہاراجہ کی مخالفت کرنے کا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا کہ اُنھیں مسلمانوں سے کوئی ھمدردی تھی۔ تاہم مہاراجہ کو نیچا دکھانے کے لئے وہ اُس کے خلاف ہونے والی ہر کارروائی پر خوش ضرور ہوتے تھے۔ مہاراجہ ہری سنگھ اور انگریزوں کے مابین رنجش اور چپقلش اپنی جگہ درست سہی لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ڈوگرہ حکومت کے خلاف مسلمانوں کی تحریک اُن کے اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لیے تھی اور اس تحریک میں انگریزوں کی در پردہ حمایت ایک دور از کار مفروضہ ہے جس کی کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۳۱ء تک کے واقعات اور بعد کے حالات مسلمانوں کے اجتماعی

سیاسی شعور کا ایک تاریخی عمل تھا۔ خاص طور پر ۱۳ جولائی کا واقعہ تاریخ حریتِ کشمیر کا ایک فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا۔ چوھدری غلام عباس خان کے خیال میں اگر 'یہ دن کیلنڈر میں نہ ہوتا تو یقیناً ریاست کشمیر کی سیاسی تاریخ جو ۱۹۳۱ء سے لے کر آج تک مرتب ہو رہی ہے اور آئندہ بھی مرتب ہوتی رہے گی، بالکل مختلف ہوتی'[۳۴]۔ مشہور کشمیری صحافی اور مؤرخ پنڈت پریم ناتھ بزاز کے الفاظ میں '۱۳ جولائی کا واقعہ سیاسی اور تاریخی اعتبار سے تاریخ کشمیر کے ناقابلِ فراموش اوراق میں اہم ترین واقعہ ہے۔ ۱۳ جولائی تک ہونے والی عوامی شورش کے پس منظر میں مسلمان عوام کی بے اطمینانی کار فرما تھی۔۔۔ ظالموں کے خلاف یہ مظلوموں کی جنگ تھی، جس میں استحصال زدہ عوام ایک استحصالی حکومت کے خلاف برسر پیکار ہوئے تھے'[۳۵]۔ شیخ محمد عبداللہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے دن کو اپنی عملی سیاسی زندگی کا پہلا دن تصور کرتے ہیں۔ اپنے ایک انٹرویو میں انھوں نے اس دن کا تذکرہ یوں کیا ہے '۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو کشمیری عوام پر فائرنگ ہوئی اور میں نے ایسا محسوس کیا جیسے ہر گولی نے خود میری چھاتی میں سوراخ کر دیا، کیونکہ اسی فائرنگ کے بعد میری عملی سیاسی زندگی کا آغاز ہوگیا۔ اس فائرنگ میں بے شمار افراد زخمی ہوئے تھے۔ میں ایک زخمی کو سنبھال رہا تھا کہ اس نے دم توڑتی آواز میں مجھ سے کہا ''عبداللہ۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب تم آگے بڑھو''۔ اور میں آگے بڑھنے لگا'[۳۶]۔ گویا تحریک حریت کا آغاز ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء سے ہوا۔ یہ دن اہلِ کشمیر کے عزمِ آزادی کا پہلا دن تھا۔

حوالہ جات

۱۔ ریاستوں کے حالات کے بارے میں خبریں اور رپورٹیں اخبار ''ریاست'' میں شائع ہوا کرتی تھیں۔ اس اخبار کے ایڈیٹر دیوان سنگھ مفتون کی خود نوشت سوانح **ناقابل فراموش** (لاہور، ۱۹۷۵ء) کے معتدبہ حصہ میں ان حالات کی عکاسی ملتی ہے۔

۲۔ سکھوں نے ۱۸۴۶ء تک کشمیر پر حکومت کی اور ان کے بعد ڈوگرے قابض ہوگئے۔ لیکن ڈوگروں کے راج میں بھی سکھوں کے زمانے کے بہت سے قاعدے اور قانون جوں کے توں رائج رہے۔ مثلاً گاؤکشی پر اب بھی سخت سزا دی جاتی تھی، لوگ اب بھی بیگار میں پکڑ لیے جاتے تھے اور مسلمانوں کو اب بھی اذان دینے کی اجازت نہ تھی۔ گو ان کے عہد میں

برائے نام چند اصلاحات بھی ہوئیں ، لیکن مجموعی طور پر رعایا کی نا گفتہ بہ حالت میں کوئی خاص فرق نہیں ہوا ۔

۳۔ کشمیر کی جدید تاریخ کا آغاز عموماً رسوائے زمانہ معاہدہ امرتسر (۱۸۴۶ء) سے ہوتا ہے ، جس کے ذریعہ گلاب سنگھ ڈوگرہ ریاست جموں و کشمیر کا خود مختار مالک بن بیٹھا ۔ اُس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا رنبیر سنگھ گدی نشین ہوا ، جس نے ۱۸۸۵ء تک حکومت کی ۔ پرتاپ سنگھ رنبیر سنگھ ، کا بیٹا اور جانشین تھا ، جسے رنبیر سنگھ نے اپنی زندگی ہی میں ولی عہد نامزد کر دیا تھا ۔ وہ ایک کٹر قسم کا ہندو حکمران تھا ۔ اُس نے تقریباً چالیس سال تک حکومت کی ۔ اُس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکا تھا ، جن کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا ۔ چنانچہ ۲۳ ستمبر ۱۹۲۵ء کو جب وہ لا ولد فوت ہوا ، تو اُس کی جانشینی کے مسئلہ پر کافی سازشوں نے جنم لیا ۔ اپنی زندگی ہی میں اُس نے اپنے چچا زاد بھائی راجہ نہال سنگھ ، والئی پونچھ کے لڑکے راجہ جگجیت سنگھ کو اپنا متبنیٰ اور ولی عہد مقرر کیا تھا ، کیونکہ بوجوہ ہری سنگھ کو پسند نہ کرتا تھا ۔ لیکن اُس زمانے میں انگریزوں کی عام پالیسی یہ تھی کہ کسی والئی ریاست کے متبنیٰ کو اُس کا وارث تسلیم نہ کیا جائے ۔ علاوہ ازیں وہ ہری سنگھ میں بھی دلچسپی رکھتے تھے ۔ چنانچہ انگریزوں کی مداخلت سے مجبور ہوکر پرتاپ سنگھ کو اپنا فیصلہ بدلنا پڑا اور اُس نے اپنے بھائی امر سنگھ کے بیٹے ہری سنگھ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا ۔ ہری سنگھ کی عمر اُس وقت صرف تیس۳۰ سال تھی ۔

۴۔ امر سنگھ ، رنبیر سنگھ کا سب سے چھوٹا بیٹا اور گلاب سنگھ کا پوتا تھا ۔ اُس کے بڑے بھائی پرتاپ سنگھ اور رام سنگھ تھے ۔ رام سنگھ فوج کا کمانڈر انچیف تھا ۔ جب وہ ۱۸۹۹ء میں فوت ہوا تو امر سنگھ کو کمانڈر انچیف بنا دیا گیا ۔ اس سے پہلے بھی وہ حکومت میں ایک اہم شخصیت تھا ۔ انگریزوں سے اُس کے تعلقات انتہائی خوشگوار تھے اور اُنہیں کی شہ پر وہ اپنے بڑے بھائی پرتاپ سنگھ کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا ۔ گلگت ایجنسی کے مسئلہ پر اُس نے انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا ، جس کے صلہ میں ۱۸۸۹ء میں پرتاپ سنگھ کو تخت سے دستبردار

کر کے انگریزوں نے ایک ریجنسی کونسل قائم کی تو امر سنگھ کو اس کا صدر بنا دیا گیا ۔ چنانچہ 'انگریز ریذیڈنٹ کی حمایت سے وہ ریاست میں سیاہ و سپید کا مالک بن گیا اور ۱۹۰۵ء تک وہ اس عہدے پر قائم رہا تا آنکہ ۱۹۰۵ء میں کونسل توڑ دی گئی' ۔ (**کشمیریز فائیٹ فار فریڈم ، جلد اول ۔** محمد یوسف صراف، (لاہور ، ۱۹۷۷ء ، ص ۳۱۳) ۔

۵۔ پرتھوی ناتھ کول بمزئی ، **اے ہسٹری آف کشمیر : پولیٹکل ، سوشل ، کلچرل ۔** (دہلی ، ۱۹۶۲ء) ، ص ۶۴۹ ۔

۶۔ کشمیر میں اس قبیح رسم کا آغاز ہندوؤں کے عہد میں ہوا اور ڈوگرہ راج کے خاتمے تک اس ظالمانہ ''قانون'' پر عمل درآمد ہوتا رہا ۔

۷۔ پرتھوی ناتھ کول بمزئی ۔ **ایضاً** ، ص ۶۵۱ ۔

۸۔ مولانا یوسف شاہ کی سرکردگی میں کشمیر میں خلافت کمیٹی کی ایک باقاعدہ شاخ قائم کی گئی ، جس کے زیر اہتمام متعدد جلسے منعقد کیے گئے اور یہاں سے چندہ اکٹھا کر کے پنجاب خلافت کمیٹی کو بھیجا گیا ۔ (بحوالہ خطبۂ صدارت ، آزاد مسلم کانفرنس ، پہلا اجلاس منعقدہ ۱۹۳۲ء از مولانا محمد یوسف شاہ ، ص ۵) ۔

۹۔ ارل آف ریڈنگ ، لارڈ چیمسفورڈ کے جانشین کی حیثیت سے ۱۹۲۱ء میں وائسرائے ہند ہو کر آئے ۔ یہ انگلینڈ کے لارڈ چیف جسٹس اور اٹارنی جنرل رہ چکے تھے اور مذہباً یہودی تھے (بحوالہ **تحریک پاکستان کا ایک باب** ، محمد سرور (لاہور ، ۱۹۷۵) ، ص ۲۷ ۔

۱۰۔ داغ شال ایک خاص قسم کا محصول تھا ، جسے افغانوں نے ۱۷۷۹ء میں کشمیری شال بافوں پر عائد کیا تھا ۔

۱۱۔ رشید تاثیر ، **تاریخ حریت کشمیر ، حصہ اول** (سرینگر ، ۱۹۶۸ء) ، ص ۴۰ ۔

۱۲۔ سلیم خان گمی ، **اقبال اور کشمیر** (لاہور ، ۱۹۷۷ء) ص ۱۴۹ ۔

۱۳- چراغ حسن حسرت ، **کشمیر** (لاہور ، ۱۹۴۸ء) ، ص ۱۳۵ -

۱۴- جوزف کوربل ، **ڈینجر ان کشمیر** (پرنسٹن ، ۱۹۵۴ء) ، ص ۱۶ -

۱۵- چراغ حسن حسرت - **ایضاً** ، ص ۱۴۵ -

۱۶- حبیب کیفوی ، **کشمیر میں اُردو** (لاہور ، ۱۹۷۹ء) ، ص ۴۹ -

۱۷- عبدالصمد وانی ، ''کشمیر کی کہانی'' (قسط وار) ، ہفت روزہ **اقدام** ، لاہور ، ۱۱ دسمبر ۱۹۶۰ء -

۱۸- کلیم اختر ، **شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ ، تاریخ حریت کشمیر کے آئینے میں** (لاہور ، ۱۹۶۳ء) ، ص ۷۹ -

۱۹- غلام عباس ، **کش مکش** (لاہور ، ۱۹۵۰ء) ص ۷۵ - ۷۶ -

۲۰- رشید تاثیر ، **ایضاً** ، ص ۷۷ -

۲۱- **ایضاً** -

۲۲- **ایضاً** -

۲۳- پرتھوی ناتھ کول بمزئی ، **ایضاً** ، ص ۶۵۴ -

۲۴- عبدالقدیر کا تعلق رام پور (یوپی) کے روہیلہ پٹھان قبیلہ سے تھا - وہ ایک انگریز میجر بٹ کا خانساماں تھا - میجر موصوف کا تعلق یارک شائر رجمنٹ سے تھا اور اُس زمانہ میں اُس کی تعیناتی پشاور میں تھی - اور گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے کے لیے وہ ریاست میں چند دن پہلے آیا تھا - ظہور احمد کے مطابق عبدالقدیر امروہہ ضلع مراد آباد کا رہنے والا تھا اور کسی انگریز کے ساتھ وہ بطور گائیڈ کشمیر میں آیا ہوا تھا - بحوالہ **کشمیر کی کہانی** ، ظہور احمد (لاہور ، ۱۹۶۹ء) ، ص ۴۵ -

۲۵- سید محمود آزاد ، **تاریخ کشمیر : زمانہ قدیم سے ۱۹۴۷ء تک** (راولپنڈی ، ۱۹۷۰ء) ، ص ۶۲۰ -

۲۶- خواجہ غلام محی الدین قرہ ، جی ایم صادق ، سابق وزیر اعلیٰ مقبوضہ کشمیر ، کے چچیرے بھائی ہیں اور آج کل کشمیر جنتا پارٹی کے ایک اہم رہنما ہیں -

۲۷- رشید تاثیر ، **ایضاً** ، ص ۹۷ -

۲۸- چراغ حسن حسرت ، **ایضاً** ، ص ۱۵۱ -

۲۹- سید محمود آزاد ، **ایضاً** ، ص ۶۱۷ -

۳۰- ممتاز احمد ، **مسئلہ کشمیر : تاریخی ، سیاسی اور قانونی مطالعہ** ، (لاہور ، ۱۹۷۰ء) ، ص ۴۴ -

۳۱- رشید تاثیر ، **ایضاً** ، ص ۱۱۲ -

۳۲- عارضی صلح نامہ کے متن کے لیے ملاحظہ فرمائیے **ایضاً** ، ص ۱۱۳ - ۱۱۴ -

۳۳- غلام عباس ، **ایضاً** ، ص ۱۰۷ -

۳۴- **ایضاً** ، ص ۸۴ -

۳۵- پریم ناتھ بزاز ، **ان سائیڈ کشمیر** - (سرینگر ، ۱۹۴۱ء) ،ص ۱۳۱ - ۱۳۲

۳۶- ملاقاتی ، **شیخ محمد عبداللہ : دوست یا دشمن ؟** (تاریخی انٹرویو) - (راولپنڈی ، ت ن) ، ص ۵۶ -